جناب محمد عمر فاروق

نواب کالا باغ کے منظور نظر
جناب الطاف گوھر کی خدمت میں
ایک مکذوبہ روایت کا بے لاگ تجزیہ

جناب الطاف گوہر نے یکم دسمبر ۱۹۹۳ء کے روزنامہ نوائے وقت میں اپنا کالم "لکھتے رہے جنوں کی حکایت" نواب کالا باغ مرحوم کے حوالے سے لکھا ہے۔ ان کی یادداشتوں پر مبنی اس کالم میں نواب کالا باغ مرحوم کی ایک روایت نقل کی گئی ہے

"ایک دفعہ عطاء اللہ شاہ بخاری میانوالی تشریف لائے' ان کی جادو بیانی کا یہ اثر ہوا کہ ضلع بھر کے لوگ رات بھر بیٹھے ان کے ارشادات سنتے اور سر دھنتے رہے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ نواب کالا باغ کے ظلم و جبر کے خلاف جہاد کا علم لے کر نکلے ہیں۔ نواب صاحب کے مخالفین نے شاہ صاحب کو اور بھی چڑھا دیا۔ بے شمار لوگ اس جہاد میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ جمعرات کی شام کے جلسے میں انہوں نے اپنے جاں فروشوں کو اطلاع دی' کل جمعہ کی نماز کے بعد میں سر پر کفن باندھ کر کالا باغ روانہ ہو جاؤں گا کیا آپ لوگ میرے ساتھ روانہ ہوں گے؟' جلسہ نے بیک زبان کہا "ہاں چلیں گے" اس اعلان کی گونج نواب کالا باغ کے کان بھی پڑی انہوں نے اپنے معتمد کے ہاتھ عطاء اللہ شاہ بخاری کی خدمت میں یہ پیغام بھجوایا کہ 'حضور شاہ صاحب! بڑی خوشی سے کالا باغ تشریف لائیے جو کفن آپ سر پر باندھ کر آئیں گے۔ ہم آپ کو وہی کفن پہنا کر واپس بھیج دیں گے" نواب صاحب کے قول کے مطابق شاہ صاحب نے یہ پیغام ملنے کے بعد کالا باغ آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ تو جبر کی سائنس یہ ہے کہ مدمقابل کو پہچانو اور جب اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالو تو یہ اطمینان کر لو کہ تمہارے پاؤں زمین پر جمے رہیں اور وار کرو تو ایسا کہ رقیب روسیاہ جانبر نہ ہو سکے۔ کسی کمزور آدمی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ"

یہ روایت شاید الطاف گوہر صاحب کے زور قلم کا حاصل ہے یا نواب امیر محمد خاں کی افسانہ تراشی' بہرحال حقیقت کچھ بھی ہو اس وضعی روایت پر کلی طور پر اعتماد کرنا تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجلس احرار اسلام ایسی بہادر قومی و دینی جماعت کے زعمانے جب بھی کوئی موقف اختیار کیا اور اس پر ہر طرح سے یقین و اطمینان کر لیا تو اس کے بعد صمیم قلب سے ڈٹ گئے۔ پھر کوئی جبر و طاغوت ان کے آہنی عزائم کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ تاریخ کے اوراق اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ کشمیر کے ڈوگرہ راج کے مسلمانوں پر مظالم کے خلاف جب مجلس احرار اسلام نے علم جہاد بلند کیا تو پچاس ہزار سے زائد احرار والسیروں نے گرفتاری دی اور بالآخر مہاراجہ

کشمیر کو کشمیری مسلمانوں کو حقوق دینا پڑے اسی طرح کپور تھلہ کی تحریک ہو یا فرخ نگر کے فسادات 'فوجی بھرتی بائیکاٹ مہم ہو یا تحریک تحفظ ختم نبوت' احرار کے جیالوں نے جماعت مرکزیہ کے حکم پر اپنی جانوں کو داؤ پر لگا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ مجلس احرار اسلام متحدہ ہندوستان کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں پر قربانی و ایثار اور عزم و ہمت کے میدان میں بازی لے گئی جس کا اعتراف آج بھی باشعور' دانشمند اور غیر جانبدار مؤرخین کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے

جس طرح الطاف گوہر صاحب نے اپنی روایت کے سہارے بانی احرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اجلے دامن کو داغدار ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کی یہ مذموم سعی دراصل جماعت احرار کے شاندار تاریخی کردار کو مجروح کرنے کے ناپاک پروگرام کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہے

میں حیران ہوں کہ ادیب احرار آغا شورش کاشمیری جب تک زندہ رہے الطاف گوہر ایسے بزعم خویش دانشور اور بے علم سیاسی تجزیہ نگار کیوں منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہے۔ شورش مرحوم نے جناب الطاف گوہر کے بعض "روشن اعمال" کو جب "چٹان" میں موضوع بنایا تھا تو گوہر صاحب کا بے لگام قلم اس وقت حرکت میں کیوں نہ آیا۔ ان کی رحلت کے بعد شاید وہ یہ سوچ کر کہ اب جواب دینے والا کوئی نہ رہا لہٰذا جو منہ میں آئے کہہ دیا جائے یا قلم سے قرطاس پر منتقل کر دیا جائے۔ لیکن یہ محض ان کی خوش فہمی اور خام خیالی ہے۔

مجلس احرار میں یوم تاسیس سے لیکر آج تک تاریخی حقائق پر نظر رکھنے اور انہیں قلم کے ذریعے عوام الناس تک پہنچانے والے باشعور اور صاحب نظر لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی۔ چودھری افضل حق سے لیکر جانباز مرزا تک ایسے ہر رہنما اور کارکن نے علم و ادب اور دین و سیاست میں وہ قلمی جواہر ریزے بکھیرے کہ جن کی چمک و دمک آج بھی نام نہاد محققین اور کور بصر لکھاریوں کی آنکھوں کو چکا چوند کر رہی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ الطاف گوہر صاحب نے جس روایت کو پیش کیا ہے وہ خود پکار پکار کر اپنی حقیقت آشکارا کر رہی ہے اولاً" سید عطاء اللہ شاہ بخاری قیام پاکستان سے قبل غالباً دو تین دفعہ ہی ضلع میانوالی تشریف لے گئے اور تقسیم ہند کے بعد بھی اتنی ہی بار۔

ثانیاً" شاہ جی نے اپنی تقاریر میں میانوالی کے قوانین اور وڈیرہ شاہی کو اپنی آتش نوائیوں کا موضوع ضرور بنایا لیکن روایت مذکورہ میں یہ اعلان کہ "کل جمعہ کی نماز کے بعد میں سر پر کفن باندھ کر کالا باغ روانہ ہو جاؤں گا" شاہ جی نے کسی بھی جلسہ عام میں نہیں فرمایا آج بھی ان لوگوں کی کثیر تعداد ضلع میانوالی میں بقید حیات ہے جنہوں نے شاہ جی کے تمام جلسوں میں شرکت کی 'مگر انہوں نے بھی مذکورہ روایت کو کذب و افتراء پر مبنی قرار دیا۔

ثالثاً" یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ذمہ دار دینی و سیاسی جماعت کا ایک ذمہ دار رہنما کسی پروگرام کا اعلان کرے اور پھر کسی وڈیرے کی دھمکی سے مرعوب ہو کر پروگرام ملتوی کر دے۔ نواب آف کالا باغ اپنی جگہ ظلم و خونخواری

میں مجسم غیظ و غضب سہی لیکن کالا باغ قصبے کا حدود اربعہ کشمیر کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ مجلس احرار اسلام ملکی معاملات بالخصوص تحریک فوجی بھرتی بائیکاٹ میں ایسی الجھی کہ وہ کالا باغ کی طرف بحیثیت مجموعی نظر نہ کر سکی وگرنہ کالا باغ کے ”ملکوں“ کو اپنے جاہ و مرتبے اور خوف و دہشت کا بخوبی اندازہ کرا دیا جاتا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ان خوفناک حالات میں بھی اس ضلع میں گئے جن کا تصور کرنا بھی محال ہے شورش کاشمیری نے لکھا ہے۔

> ”ضلع میانوالی کی ایک تحصیل (عیسیٰ خیل) میں شاہ جی پہلی مرتبہ تقریر کے لئے گئے تو کسی مسلمان نے اپنے ہاں نہ ٹھہرایا۔ ایک ہندو نے شب بسری کے لئے جگہ دی تو اسے گاؤں چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ ازاں بعد اس کے مکان کو آگ لگا دی گئی“ (سوانح سید عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۹۸)

وہ حضرات جو برطانوی سامراج کی کمین گاہوں ’ اٹک ‘ سرگودھا ‘ راولپنڈی ‘ جہلم اور میانوالی کے اضلاع کی سیاسی صورت حال پر گہری نظر رکھتے ہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان تمام اضلاع اور بالخصوص میانوالی پر انگریز کے کاسہ لیس جاگیرداروں کی گرفت کتنی مضبوط تھی۔ اس دور میں انگریز کے خلاف کوئی کلمہ نکالنا قابل گردن زدنی تھا چہ جائیکہ اپنے وقت کے برطانوی حکومت کے سب سے بڑے باغی کی عیسیٰ خیل میں تقریر! لیکن شاہ جی جس دل گردے اور شجاعت و تہور کے حامل انسان تھے یہ توقع ان سے ہی کی جا سکتی تھی کہ محض اللہ کے سہارے پر جو فردتن تنہا صدائے حق بلند کرنے کے لئے یہاں آسکتا ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ یہاں مجلس احرار اسلام کا قیام بھی عمل میں نہ آیا ہو اور شب بسری کے لئے کسی میں ہمت بھی نہ ہو کہ وہ انہیں اپنے مکان میں ٹھہرائے وہ جگردار اور حریت فطرت عظیم رہنما اگر کالا باغ جانے کا عزم کر لیتا ‘ چاہے اس راہ میں کچھ ہو جاتا اسے روکنے کی جرات کس میں تھی؟

شاہ جی کو تحریک کشمیر کے دوران کشمیر میں داخل ہونے سے روکا گیا تو وہ دریائے توی تیر کر کشمیر میں داخل ہوئے۔ تقریریں کیں اور گرفتار ہو گئے۔ قادیان میں داخل ہونے کے تمام راستے بند کئے گئے تو وہ پانچ لاکھ مسلمانوں کا جم غفیر لیکر قادیان میں داخل ہو گئے۔ تین دن تقریر کی اور پھر گرفتار ہو گئے۔ ملتان کے گیلانیوں اور قریشیوں نے شہر میں داخل ہونے سے منع کیا اور تقریر کرنے کی صورت میں جان سے مار دینے کی دھمکی دی مگر شاہ جی نہ صرف ملتان میں داخل ہوئے بلکہ گیلانیوں کے مرکز ”پاک گیٹ“ میں تقریر کی اور انگریز سامراج کے مذہبی دلالوں کی غداریوں کو موضوع بنایا اور ان کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس قسم کی بے شمار مثالیں شاہ جی کی مجاہدانہ زندگی کا روز مرہ تھیں۔

لہٰذا الطاف گوہر کی روایت افتراء اور اتہام محض ہے جو کسی طور حقیقت سے میل نہیں کھاتی بالفرض اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ اس روایت کا راوی ایک فرد ہے جو روایت کا سامع ہے ‘ واقعہ کا عینی شاہد نہیں۔ جبکہ اس کی تائید میں کوئی قول کسی دیگر فرد کا نہیں ملتا۔ اور سینکڑوں لوگ جو شاہ جی کی تقاریر

کے سامع ہیں ایسی ہر روایت کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا الطاف گوہر صاحب کی روایت مکذوبہ و مجہول ٹھہرتی ہے نواب کالا باغ زندہ نہیں ورنہ انہیں مخاطب کیا جاتا۔ اگر نواب نے شیخی میں آ کر یہ کہہ بھی دیا ہو تو الطاف گوہر صاحب پر لازم تھا کہ وہ اس علاقہ کے کسی واقف حال سے اس کی تصدیق کر لیتے۔ اسلام آباد میں بیسیوں افراد میانوالی کے باسانی مل سکتے ہیں اس طرح ان کے "نظریہ جبری سائنس" کا بھی تجزیہ ہو جاتا۔

"احرار اور کالا باغ"

جہاں تک نواب آف کالا باغ کے خلاف جہاد کرنے کا معاملہ ہے تو الطاف گوہر صاحب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ضلع میانوالی میں بالعموم اور کالا باغ کے خلاف بالخصوص جہاد کرنے میں مقامی مجلس احرار اسلام کا رول تاریخ کا زریں باب ہے۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے دست راست اور مجلس احرار اسلام ہند پنجاب کے نائب صدر مولانا گل شیر خاں شہید نے نواب آف کالا باغ کے خلاف اس وقت جہاد کا آغاز کیا جب نواب کی پشت پر انگریز کا دست تعاون موجود تھا مگر اس مرد حق آگاہ نے تمام خطرات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حق و صداقت کی مشعل فروزاں کی۔

جب مولانا گل شیر شہید پہلی دفعہ کالا باغ تشریف لے گئے تو آپ نے اپنی پہلی تقریر میں ہی جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام کو موضوع بنایا اور نواب کالا باغ کے ظالمانہ ہتھکنڈوں کی مذمت کی نتیجتاً" آپ کو دعوت دینے والے حضرات غائب ہو گئے اور آپ کو پیدل ریلوے اسٹیشن تک سفر کرنا پڑا۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور آپ کئی مرتبہ کالا باغ تشریف لے گئے یہاں تک کہ آپ نے کالا باغ میں مجلس احرار اسلام کی شاخ قائم کر دی جس کے ناظم ڈاکٹر غلام حیدر اور ان کے بھائی غلام قادر بلوچ سالار مقرر کیے گئے (جو نواب کالا باغ کے ذاتی معالج ڈاکٹر اللہ جوایا کے بیٹے تھے) ڈاکٹر غلام حیدر نواب کے مظالم سے تنگ آ کر بعد میں کراچی ہجرت کر گئے اور وہیں انتقال ہوا کالا باغ میں مجلس احرار کا قیام رئیس کالا باغ کی امارت کو کھلا چیلنج تھا۔ یہاں تک کہ کالا باغ کا تحصیلدار احرار کارکنوں سے کہہ اٹھا کہ "میرا حکم ہے۔ تمہیں احرار چھوڑنا پڑے گی"

لیکن احرار سرفروشوں نے نواب کے غرور و تکبر کو پاؤں تلے روندنے کی جسارت کر ڈالی، ظلم کی چکی میں پس گئے مگر احرار کا دامن نہ چھوڑا۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں باقاعدہ تحریک کالا باغ کا آغاز کر دیا گیا جس کی تفصیلات انگریز گورنر پنجاب کی گورنر جنرل ہند کے نام خط و کتابت 7-23-page-246-ر،s،peJ،file No-1 انڈیا آفس لائبریری لندن میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

عوام نے احرار کی تحریک پر نواب کے عائد کردہ ظالمانہ ٹیکس دینے بند کر دیئے جس کے نتیجے میں احرار کارکنوں اور نواب کے کارندوں میں ٹکر ہو گئی کئی رضا کار غنڈوں کے ہاتھوں سخت مجروح ہوئے اور بالآخر انہیں کالا باغ سے ہجرت کرنا پڑی۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو آل انڈیا مجلس احرار اسلام کے حکم پر پنجاب اور سرحد میں "یوم کالا باغ" منایا گیا۔ حکومت نے دونوں صوبوں میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی اور احرار رہنماؤں کو گرفتار کرلیا۔

۲۸ نومبر ۱۹۴۳ء کو احرار پارک لاہور میں "کالا باغ مہاجرین کانفرنس" ہوئی جس میں تحریک کی دیکھ بھال مولانا مظہر علی اظہر کو سونپی گئی۔ اور انہوں نے مولانا غلام غوث ہزاروی کو ایک سو رضا کاروں کے ہمراہ کالا باغ بھیج دیا۔ تین سو رضا کار میانوالی سے مولانا کے ہمراہ کالا باغ میں پہنچے تو پولیس نے کارکنوں سے زبردستی کلہاڑیاں چھین کر انہیں نہتا کردیا کارکن ایک مسجد میں جمع ہوئے تو پانی بند کردیا گیا اور نواب کے پالتوؤں نے مسجد کا مکمل گھیراؤ کرلیا۔ احرار رہنماؤں نے تمام صورتحال دیکھ کر رضا کاروں کو مزاحمت کرنے سے روک دیا کیونکہ انہیں ہتھیاروں سے پہلے ہی نہتا کردیا گیا تھا۔

مولانا غلام غوث ہزاروی حالات کا تفصیلی مشاہدہ کرنے کے بعد لاہور تشریف لے گئے مولانا گل شیر خاں شہید اگرچہ پابندی کی وجہ سے کالا باغ نہ آسکے لیکن باہر سے رضا کاروں کو کالاباغ بھیجنے میں مصروف رہے (مولانا پر تحریک کے آغاز میں ہی ضلع میانوالی میں داخلے پر پابندی عائد کردی گئی تھی)

مرکزی مجلس عاملہ احرار 'تحریک کالا باغ کے بارے میں ابھی کسی فیصلے پر نہ پہنچی تھی کہ ڈپٹی کمشنر نے ضلع میانوالی میں احرار کے تمام اجتماعات اور جلوسوں پر غیر معینہ مدت کے لئے پابندی عائد کردی۔ احرار سرگرمیاں پابندیوں کے باوجود کسی نہ کسی طور جاری رہیں جن کی وجہ سے نواب آف کالا باغ نے اپنی امارت کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ چونکہ اس تحریک میں مرکزی کردار مولانا گل شیر خاں کا تھا اور وہ نواب آف کالا باغ کے خلاف کالا باغ کے مظلوم عوام کو بیدار کرنے اور ان میں باغیانہ جذبات ابھارنے میں موثر قوت ثابت ہو رہے تھے اس لئے مولانا کا وجود نواب اور اس کے کارپردازوں کے لئے خطرے کا نشان بن گیا۔

آخر کار نواب امیر محمد خان کے اشارے پر ۲۴ مئی ۱۹۴۴ء کو مولانا گل شیر خاں کو سوتے میں گولی مار کر شہید کردیا گیا جس کی بڑی وجہ یہ بھی سامنے آئی کہ مولانا گل شیر شہید پر عائد پابندی ان کی شہادت کے دوسرے روز ختم ہو رہی تھی۔ اور وہ کالا باغ میں احرار کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کرچکے تھے۔ اس لئے نواب کالا باغ نے متوقع بغاوت کی بو سونگھ لی اور مولانا کو اپنے راستے سے ہٹادیا۔

مگر افراد کے ختم ہو جانے سے نظریات تو نہیں مٹتے بلکہ جس تحریک کی 'جو مخلصانہ انداز میں چلائی جا رہی ہو خون سے آبیاری ہو جائے وہ گوہر مقصود حاصل کر ہی لیتی ہے چاہے اس میں کچھ دیر ہو جائے۔ مولانا کی برپا کردہ تحریک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کر رہی۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۲ جون ۱۹۴۴ء کو فیصل آباد میں نواب کالا باغ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "امیر محمد خاں 'تو نے ایک مسلمان حافظ قرآن 'اسلام کے مبلغ اور میرے رفیق

مولانا گل شیر خاں کو اپنے راستے کا کانٹا سمجھ کر قتل تو کروا دیا لیکن یاد رکھنا تیری قبر بھی تجھے پناہ نہیں دے گی"

شاہ جی کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور نواب کالا باغ اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور اس کی لاش کو دریائے سندھ میں بہا دیا گیا۔ بے شک اللہ ہی زبردست انتقام لینے والا ہے۔

جناب الطاف گوہر نے بھی دبے لفظوں میں اقرار کیا کہ "شبہ یہ تھا کہ ان کے (نواب کالا باغ کے) چھوٹے بیٹے نے کسی اختلاف کی بنا پر باپ کے سر میں گولی پیوست کر دی" (روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی یکم دسمبر ۱۹۹۳ء) مولانا گل شیر خان کی شہادت پر تحصیل تلہ گنگ ضلع چکوال کے قصبہ لاوہ میں ۹ جولائی ۱۹۴۴ء کو عظیم الشان "یوم گل شیر" منایا گیا چونکہ میانوالی میں احرار اجتماعات پر پابندی تھی اس لئے میانوالی اور اٹک (اب چکوال) کے اضلاع کی مشترکہ حدود پر یہ جلسہ منعقد ہوا۔ مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

"گل شیر خان کا قتل معمولی قتل نہیں کہ نتیجہ نہیں نکلے گا۔ گل شیر خاں کا خون رنگ لا کر رہے گا پھر تمہاری نوابی اور سرداری بھی تمہارا تحفظ نہیں کر سکے گی۔ گل شیر نے انگریز کو غاصب اور تم جاگیرداروں کو وطن کا غدار کہا اور تمہارے کرتوتوں کا پردہ چاک کیا۔۔۔ لو سنو! آج اسی مقام پر جہاں کل تمہیں گل شیر نے للکارا تھا اور تمہیں قوم و ملک کا بے وفا اور نمک حرام قرار دیا تھا بخاری بھی تمہیں اور تمہارے فرنگی آقاؤں کو ڈنکے کی چوٹ پر غاصب، لٹیرا، غدار، ٹوڈی، دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن اور امت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کا باغی کہتا ہے۔ تم نے جو تعزیر مجھ پر جاری کرنی ہے ابھی کر لو سید حاضر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔! (مولانا محمد گل شیر شہید سوانح و خدمات ص ۲۵۹)

الغرض احرار رہنماؤں کی تقاریر نے اس علاقے میں آگ لگا دی۔ عوام الناس کے نیم خفتہ جذبات بھڑک اٹھے اور کالا باغ کے خلاف تحریک نے نئی راہیں تلاش کر لیں۔ اگرچہ مولانا گل شیر شہید اس جہان فانی میں نہ رہے لیکن ان کی سلگائی ہوئی چنگاری شعلہ جوالہ بن گئی ان کی جاری کردہ تحریک اسی انقلاب کی خشت اول تھی جس کے مقابل کالا باغ کے رئیس نہ ٹھہر سکے۔ اس تحریک کے اثرات ماضی کی نسبت آج واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ کالا باغ کے رئیسوں کو جس طاقت پر گھمنڈ تھا عوام نے اسے اپنے پاؤں کے نیچے مسل ڈالا جس کے ذمہ دار خود رؤسا تھے بقول جانباز مرحوم

"کالا باغ کے رئیسوں نے خدا کی زمین پر خدا کے بندوں سے ناانصافیاں کیں۔ مکافات عمل کا وقت آیا تو جھونپڑوں کی آگ سے نہیں بلکہ محلات کی اپنی آگ سے وہ سارا کچھ جل کر راکھ ہو گیا جس کے مان پر حاکمانہ غرور رقص کرتا تھا۔ قدرت ڈھیل تو دیتی ہے لیکن معاف نہیں کرتی"

آج کالا باغ کے صاحبزادگان نشان عبرت ہیں اور وہی کالا باغ کا قصبہ جہاں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں تھی

وہاں کالاباغ کے رئیس قدم نہیں رکھ سکتے۔ فاعتبرو یا اولی الابصار!

تاریخ کے یہ ابواب اس لئے دھرانا پڑے کہ الطاف گوہر صاحب ایسے ابن الوقت لکھاریوں کی طرف سے تاریخ کے تابناک چہرے پر پھیلائے گئے گردو غبار کو صاف کیا جائے اور حقائق کی نقاب کشائی کی جائے۔

مجلس احرار اسلام کے تمام قائدین اور کارکنان نے ۱۹۲۹ء میں جس موقف کو اختیار کیا تھا بحمد اللہ آج بھی احرار اسی کو مد نظر رکھ کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ کبھی ان کے پائے استقامت لرزش و لغزش سے آشنا نہیں ہوئے۔ جو فرد گروہ یا جماعت ان درویش منش قائدین احرار کے بے داغ وجود پر انگشت نمائی کرتا ہے اور اپنی بے رحم اور متعصب تنقید کا نشانہ بناتا ہے وہ تاریخ سے نابلد، ضمیر سے ناآشنا اور قلم کا سوداگر ہے۔ تاریخ نے ایسے کور چشموں سے ہمیشہ اغماض برتا ہے۔ وقتی شہرت، مالی مفادات اور ارباب اقتدار کی نظر کرم کے طلب گار قلمکار جب اپنی غیرت کو بیچ چوراہے میں نیلام کر چکتے ہیں تو ان کے اذہان و قلوب کی کثافت اور عفونت قلم کی ابکائیوں کی صورت میں غلیظ اور متعفن جراثیم پھیلانے کا باعث بن جاتی ہے جس کے ترجمان عاشق حسین بٹالوی میاں محمد شفیع (م۔ ش) حمید نظامی عبداللطیف سیمی اور الطاف گوہر ٹھہرتے ہیں۔ ضمیر کی سچائی ہی وہ قوت ہے جس کے ذریعے اظہار میں بے باکی، کردار میں نکھار اور قلم میں وقار پیدا ہوتا ہے اور حقائق کے سامنے آنے میں کسی قسم کی مصلحت، حالات کے تقاضے اور شخصیت پرستی کے پر فریب نظریے حائل نہیں ہو سکتے۔ دارورسن کی آزمائش اور کسی کا رعب و رعونت بھی حق گوئی و حق پژوہی سے باز نہیں رکھ سکتے اسی کا نام مجلس احرار ہے۔ جس کا ماضی و حال مذکورہ صفات کا حامل ہے

کتابیات

(۱) کاروان احرار، جانباز مرزا (۲) مولانا گل شیر شہید، سوانح و خدمات، محمد عمر فاروق (۳) سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شورش کاشمیری

تحریک آزادی کے نامور رہنما اور صاحب طرز ادیب مفکر احرار چودھری افضل حق کی خودنوشت سوانح

میرا افسانہ

قیمت ۱۱۰/= روپے

رعائتی قیمت ۶۰/= روپے
ڈاک خرچ ۱۰/= روپے

چالیس برس بعد دوبارہ شائع ہو گئی ہے!

میرا افسانہ ـ ایک عہد اور ایک زمانے کی سوانح ـ آزادی کے مجاہدوں کا تذکرہ
کمپیوٹر کتابت ـ اعلیٰ طباعت ـ خوبصورت جلد ـ صفحات ۲۰۸ قیمت ۱۱۰ روپے